کانسٹیبلوں کا شبہ پختہ ہو گیا۔ ایک کانسٹیبل نے آنکھیں نکال کر کہا: ''معلوم ہوتا ہے تم بھی ملے ہوئے ہو۔ ان کا نام کیوں نہیں بتلاتے؟''

دیبی دین نے شبہ انگیز جسارت کے ساتھ کہا: ''مجھ سے رعب نہ جمانا جمعدار سمجھے! یہاں دھمکیوں میں نہیں آنے کے۔''

دوسرے کانسٹیبل نے گویا ثالث بن کر کہا:

''بوڑھے بابا تم خواہ مخواہ بگڑ رہے ہو ان کا نام کیوں نہیں بتا دیتے؟''

دیبی دین نے خائف نظروں سے رما کی طرف دیکھ کر کہا: ''ہم لوگ تو رماناتھ کہتے ہیں اصلی نام کچھ اور ہے یا یہی، ہم نہیں جانتے۔''

کانسٹیبل نے تماشائیوں کو مخاطب کر کے کہا: ''نام ہے رماناتھ، بتاتے ہیں بیرا اال ہے۔ گھر الہ آباد ہے بتاتے ہیں شاہجہان پور۔ جرم ثابت ہو گیا۔''

تماشائیوں میں کانا پھوسی ہونے لگی۔

''شبہ کی بات تو ہے؟''

''صاف ہے، نام اور پتا دونوں غلط بتائے۔''

ایک مارواڑی صاحب نے فرمایا: ''اچکو سو ہے۔''

ایک مولوی صاحب بولے: ''کوئی اشتہاری ملزم ہے۔''

خلقت کو اپنا ہم خیال دیکھ کر سپاہیوں کو اور بھی زور ہو گیا۔ رما کو بھی اب ان کے ساتھ چپ چاپ چلے جانے ہی میں اپنی خیریت نظر آئی۔ اس طرح سر جھکا لیا گویا اسے اس پر الٹھی پڑتی ہے یا تلوار۔ اتنا ذلیل وہ کبھی نہ ہوا تھا۔ جیل کا عذاب بھی اتنا جاں شکن نہ ہوتا۔

تھوڑی دیر میں تھانہ آ گیا۔ تماشائیوں کا ہجوم بہت کم ہو گیا تھا۔ رما نے ایک بار پیچھے کی طرف شرم گیر توقع سے دیکھا۔ دیبی دین کا پتا نہ تھا۔ رما کے منہ سے ایک سانس نکل گئی۔

(34)

پولیس سٹیشن کے دفتر میں اس وقت بڑی میز کے سامنے چار آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک داروغہ تھے۔ گورے رنگ کے شوقین، جن کی بڑی بڑی آنکھوں میں ہمدردی کی جھلک تھی۔ ان کی بغل میں نائب داروغہ تھے۔ یہ سکھ تھے۔ بہت ہی ہنس مکھ، زندہ دلی کے پتلے۔ گیہواں رنگ، مضبوط اور متناسب اعضاء۔ سر پر کیش تھے۔ ہاتھوں میں کڑے لیکن۔ گار سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ میز کی دوسری طرف انسپکٹر اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ بیٹھے تھے۔ انسپکٹر ادھیڑ، سانولا، لمبا آدمی تھا۔ کوڑی کی سی آنکھیں، پھولے رخسار اور ٹھگنا قد۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ الانبا چھریرہ جوان تھا۔ بہت ہی کم سخن اور ذی فہم۔

ڈپٹی نے۔ گار کا ایک کش لے کر کہا: ''باہری گواہوں سے کام نہیں چل سکے گا۔ ان میں سے کسی کو اپرو ر بنانا ہوگا اور کوئی آلٹرنیٹو نہیں ہے۔''

انسپکٹر نے داروغہ کی طرف دیکھ کر کہا: ''ہم لوگوں نے کوئی بات اٹھا تو نہیں رکھی۔ از روئے حلف کہتا ہوں، ہر قسم کا لالچ دے کر ہار گئے۔ سبھوں نے ایسا گٹ کر رکھا ہے کہ کوئی ٹوٹتا ہی نہیں۔ ہم نے باہر کے گواہوں کو بھی آزمایا، مگر وہ سب

کانوں پر ہاتھ رکھتے ہیں۔''

ڈپٹی: ''اس مارواڑی کو پھر آزمانا ہوگا۔ اس کو بلا کر خوب دھمکایئے۔ شاید اس کا کچھ دباؤ پڑے۔''

انسپکٹر: ''از روئے خلف کہتا ہوں آج صبح ہی سے ہم لوگ یہی تدبیر کر رہے ہیں۔ بیچارہ باپ لڑکے کے پیروں میں گر پڑا، لیکن کسی طرح راضی نہیں ہوتا۔''

کچھ دیر تک چاروں طرف خاموش بیٹھے رہے۔ آخر ڈپٹی نے مایوسانہ انداز سے کہا: ''مقدمہ نہیں چلنے سکتا۔ مکھت کا بدنامی ہوا۔''

انسپکٹر ایک ہفتہ کی مہلت اور لیجیے۔ شاید کوئی گواہ نکل آئے۔

یہ فیصلہ کر کے دونوں آدمی وہاں سے روانہ ہوئے۔ نائب داروغہ بھی ان کے ساتھ ہی چلے گئے۔ داروغہ جی نے حقہ منگوایا کہ دفعتاً ایک مسلمان سپاہی نے آ کر کہا:

''حضور! ایئے۔ کچھ انعام دلوایئے۔ ایک ملزم کو شبہ پر گرفتار کیا ہے۔ الہ آباد کا رہنے والا ہے۔ رماناتھ نام ہے۔ پہلے نام اور سکونت غلط بتلائی تھی۔ دیبی دین کھٹک جونکڑ پر رہتا نہیں ہے، اسی کے یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ ذرا ڈانٹ بتایئے گا تو سب کچھ اگل دے گا۔''

داروغہ: ''دیبی دین وہی ہے نا جن کے دونوں لڑکے .....؟''

سپاہی: ''جی ہاں وہی ہے، وہی ہے۔''

اتنے میں رماناتھ بھی داروغہ کے سامنے حاضر کیا گیا۔ داروغہ نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ گویا دل میں اس کا حلیہ ملا رہے ہوں۔ تب تیز نگاہوں سے

دیکھ کر بولا:

''اچھا یہ الہ آباد کا رمانا تھ ہے۔ خوب ملے بھائی۔ خوب ملے۔ چھ مہینہ سے پریشان کر رہے ہو۔ کیسا صاف حلیہ ہے کہ اندھا بھی پہچان لے۔ یہاں کب سے آئے؟''

کانسٹیبل نے رما کو صلاح دی: ''سارا حال سچ سچ بتا دو تو تمہارے ساتھ کوئی سختی نہ کی جائے گی؟''

رما نے چہرے کو بشاش بنا کر کہا: ''جناب! اب تو آپ کے ہاتھ میں ہوں رعایت کیجیے یا سختی کیجیے۔ الہ آباد کی میونسپلٹی میں ملازم تھا۔ حماقت کہیے یا بدنصیبی، چنگی کے چار سو روپے مجھ سے خرچ ہو گئے۔ میں وقت پر روپے جمع نہ کر سکا، شرم کے مارے گھر والوں سے بھی کچھ نہ کہہ سکا۔ نہیں تو اتنے روپے کا انتظام ہو جانا کچھ مشکل نہ تھا۔ جب کچھ بس نہ چلا تو وہاں سے بھاگ کر یہاں چلا آیا۔ اس میں ایک حرف بھی غلط نہیں ہے۔''

داروغہ نے چہرے کو متین بنا کر کہا: ''معاملہ کچھ سنگین ہے۔ کیا جوا کھیلتے تھے؟ یا بیوی کے زیور بنوائے تھے؟''

رما ابھی جواب نہ دینے پایا تھا کہ دیبی دین آ کر کھڑا ہو گیا۔

داروغہ نے تند لہجہ میں پوچھا: ''کیا کام ہے یہاں؟''

دیبی: ''حجور کو سلام کرنے چلا آیا۔ ان بیچارے پر رحم کی نگاہ رکھیے گا۔ بیچارے بڑے سیدھے آدمی ہیں۔''

داروغہ: ''بچا سرکاری ملزم کو گھر میں چھپاتے ہو، اس پر سفارش کرنے آئے

ہو؟''

دیبی: ''میں کیا سفارش کروں گا، حجور کوڑی کا آدمی ہوں۔''

داروغہ: ''جانتا ہے ان پر وارنٹ ہے۔ سرکاری روپے غبن کر گئے ہیں۔''

دیبی: ''حجور بھول چوک آدمی ہی سے تو ہوتی ہے۔ جوانی کی عمر ہے، خرچ ہو گئے ہوں گے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے پانچ گنیاں نکال کر میز پر رکھ دیں۔

داروغہ نے تڑپ کر کہا: ''یہ کیا ہے؟''

دیبی: ''کچھ نہیں، حجور کو پان کھانے کو۔''

داروغہ: ''رشوت دینا چاہتا ہے، کہو تو بچا اسی الزام میں بھیج دوں؟''

دیبی: ''بھیج دیجیے، گھر والی نکڑی کفن کی پھکر سے چھوٹ جائے گی۔ وہیں بیٹھا دعائیں دیتا رہوں گا۔''

داروغہ: ''اگر انہیں چھڑانا ہے تو پچاس گنیاں لا کر سامنے رکھو۔ جانتے ہو ان کی گرفتاری پر پانچ سو روپے کا انعام ہے؟''

دیبی: ''آپ کے لیے اتنا انعام کیا ہے۔ یہ بیچارے پردیسی آدمی ہیں۔ جب تک جئیں گے آپ کو یاد کریں گے۔''

داروغہ: ''بک بک مت کرو، یہاں دھرم مانے نہیں آئے ہیں۔''

دیبی: ''بہت تنگ ہوں حجور، دوری دکان تو نام کی ہے۔''

کانسٹیبل: ''بڑھیا سے مانگ جا کے۔''

دیبی: ''مانے والا میں ہی ہوں۔ لڑکوں کا حال جانتے ہی ہو۔ پیٹ کاٹ کر

کچھ روپے جمع کر رکھے تھے سوا بھی ساتویں دھام کیے چلا آتا ہوں۔''

داروغہ: ''تو اپنی گنیاں اٹھالے۔ اسے باہر نکال دو جی۔''

دیبی: ''آپ کا حکم ہے تو لیجیے جاتا ہوں، دھکے کیوں دلوائیے گا۔''

داروغہ: ''(کانسٹیبل) انہیں حراست میں رکھو۔ منشی سے کہو ان کا بیان لکھ لیں۔''

رمانا تھ نے دیبی دین کے چہرے پر اتنی حسرت ناک معذوری کبھی نہ دیکھی تھی۔ جیسے کوئی چڑیا اپنے گھونسلے میں بلی کو گھستے دیکھ کر بے قرار ہو گئی ہو۔ وہ ایک تھانہ کے دروازہ پر کھڑا رہا۔ پھر پیچھے پھرا اور سپاہی سے کچھ کہہ کر لپکا ہوا سڑک تک چلا گیا، مگر ایک لمحہ ہی میں پھر لوٹا اور داروغہ سے بولا:

''حجور دو گھنٹہ کی مہلت نہ دیجیے گا؟''

رما ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑا، بولا: ''دادا اب تم حیران نہ ہو۔ میری تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہونے دو۔ میرے باپ بھی ہوتے تو اس سے زیادہ اور کیا کرتے۔ میں مرتے دم تک تمہارا احسان مند رہوں گا۔''

دیبی دین نے آنکھیں پونچھتے ہوئے کہا: ''کیسی بات کرتے ہو بھیا۔ جب روپوں پر آ گئی تو دیبی دین پیچھے ہٹنے والا آدمی نہیں ہے۔ اتنے روپے تو ایک دن کے جوئے میں ہار گیا ہوں۔ ابھی گھر بیچ دوں تو دس ہزار کی مالیت ہے۔ کیا سر پر لاد کر لے جاؤں گا۔ (داروغہ سے) ابھی نہیں حراست میں بھیجئے۔ میں روپے کی فکر کر کے تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔''

دیبی دین چلا گیا تو داروغہ نے رازدارانہ لہجہ میں کہا: ''ہے تو خرانٹ مگر بڑا

نیک ۔تم نے اسے کون سی جڑی سنگھا دی؟''

رما:''غریبوں پر سبھی کو رحم آتا ہے۔''

داروغہ نے مسکرا کر کہا:''پولیس کو چھوڑ کر اتنا اور کہیے۔ مجھے تو یقین نہیں پچاس گنیاں لائے۔''

رما:''اگر لائے بھی تو میں اتنا بڑا تاوان نہیں دلانا چاہتا۔ آپ مجھے شوق سے حراست میں لے لیں۔''

داروغہ:''مجھے پانچ سو کی جگہ ساڑھے چھ سو مل رہے ہیں تو کیوں چھوڑیں۔ تمہاری گرفتاری کا انعام میرے کسی دوسرے بھائی کو مل جائے تو کیا برائی ہے؟''

یکا یک داروغہ کو جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ میز کی دراز سے ایک مسل نکالی۔ اس کے ورق ادھر ادھر الٹے۔ تب شفقت آمیز لہجہ میں بولے:

''اگر میں کوئی ایسی ترکیب بتلا دوں کہ دیبی دین کے روپے بھی بچ جائیں گے اور تمہارے اوپر کوئی حرف بھی نہ آئے تو کیسا؟''

رما کو یقین نہ آیا:''کیا ایسی بھی کوئی ترکیب ہے؟''

داروغہ:''اجی سائیں کے سو کھیل ہیں۔ آپ کو صرف ایک مقدمہ میں شہادت دینی پڑے گی۔''

رما:''جھوٹی شہادت ہوگی؟''

داروغہ:''نہیں بالکل سچی۔ بس یہی سمجھ لو کہ آدمی بن جاؤ گے۔ میونسپلٹی کے پنجہ سے تو چھوٹ ہی جاؤ گے۔ شاید سرکار پرورش بھی کرے۔ بولو اگر چالان ہو گیا تو پانچ سال سے کم سزا نہ ہوگی۔ مان لو اس وقت دیبی دین تمہیں بچا بھی لے تو

بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی، مگر میں مجبور نہیں کرتا۔ تم اپنا نفع نقصان خود سوچ سکتے ہو۔''

داروغہ نے ڈکیتی کی داستان کہہ سنائی۔ رما ایسے کئی مقدمے اخباروں میں پڑھ چکا تھا۔ بدگمان ہو کر بولا:

''تو مجھے مخبر بننا پڑے گا اور یہ کہنا پڑے گا کہ میں ان ڈکیتیوں میں شریک تھا۔ یہ تو جھوٹی شہادت ہے۔''

داروغہ: ''معاملہ بالکل سچا ہے۔ کسی بے گناہ کی جان خطرے میں نہ آئے گی۔ وہی لوگ سزا پائیں گے جو سزا کے مستحق ہیں۔ تب جھوٹ کہاں رہا۔ ڈاکوؤں کے خوف سے یہاں کے لوگ شہادت دینے سے گریز کرتے ہیں۔ بس اور کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ سوچ لیجیے۔ شام تک جواب دیجیے گا۔ یہ میں مانتا ہوں کہ آپ کو کچھ جھوٹ بولنا پڑے گا، لیکن نتائج کے اعتقاد حقیقت ہیں۔''

رما کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی۔ اگر ایک بار جھوٹ بول کر وہ اپنی پچھلی حماقتوں کی تلافی کر سکے تو پوچھنا ہی کیا۔ اس میں بہت آگے پیچھے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اس وقت غرض مند ہے اور وہ میری کوئی واجب شرط نا منظور نہ کرے گی۔ اس انداز سے بولا:

''گویا اس کا دل حق و باطل کے مخمصہ میں پڑا ہوا ہے۔ مجھے یہی خوف ہے کہ کہیں میری شہادت سے بے گناہ نہ پھنس جائیں۔''

داروغہ: ''اس کا میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں۔''

رما: ''اور اگر میونسپلٹی میری گردن ماپے تو میں کسے پکاروں گا؟''

داروغہ: ''مجال ہے میونسپلٹی چوں کر سکے۔فوجداری کے مقدمہ میں مدعی تو سرکار ہوگی۔سرکار کی جانب سے آپ کو تحریری معافی نامہ دے دیا جائے گا۔بس اتنا سمجھ لیجیے کہ اگر آپ کی شہادت اچھی ہوئی اور فریق ثانی کے حربوں کے جال سے آپ نکل گئے تو آپ پارس ہو جائیں گے۔''

داروغہ نے اسی وقت موٹر منگوائی اور رما کو ساتھ لے کر ڈپٹی صاحب سے تخلیہ میں خوب ڈیٹ اڑائی۔اس آدمی کی صورت دیکھتے ہی بھانپ گیا کہ مفرور ہے۔ فوراً گرفتار کیا۔تجربہ کاروں کی نگاہ کہیں چوک سکتی ہے۔حضور مجرم کی آنکھیں پہچانتا ہوں۔الہ آباد میونسپلٹی کے روپے غبن کر کے بھاگا ہے۔اس معاملہ میں شہادت دینے پر آمادہ ہے۔آدمی پڑھا لکھا،صورت کا شریف اور ذہین ہے۔

ڈپٹی نے مشتبہ انداز سے کہا: ''ہاں آدمی ہوشیار معلوم ہوتا ہے۔''

داروغہ: ''مگر معافی نامہ لیے بغیر اسے اعتبار نہ آئے گا۔کہیں اسے یہ شبہ ہوا کہ ہم اگر اس کے ساتھ کوئی چال چل رہے ہیں تو صاف نکل جائے گا۔''

ڈپٹی: ''یہ تو ہوگا ہی،گورنمنٹ سے اس بارے میں بات چیت کرنا ہوگی۔ آپ کال ملا کر الہ آباد سے پوچھئے کہ اس آدمی پر کیا مقدمہ ہے۔''

داروغہ نے ٹیلی فون ڈائریکٹری دیکھی،نمبر ملایا اور بات چیت شروع ہوئی۔

ڈپٹی: ''کیا بولا؟''

داروغہ: ''کہتا ہے یہاں اس نام کے کسی آدمی پر مقدمہ نہیں ہے۔''

ڈپٹی: ''یہ کیا بات ہے بھائی کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔اس نے نام تو نہیں بدل دیا۔''

داروغہ: ''یہ تو بڑا تعجب کا بات ہے۔ آدمی بولتا ہے روپیہ لے کر بھاگا، میونسپلٹی بولتا ہے کوئی روپیہ غبن نہیں کیا۔ یہ آدمی پاگل تو نہیں ہے؟''

داروغہ: ''کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر کہہ دیں تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں تو پھر اس کی گرد بھی نہیں ملتی۔''

ڈپٹی: ''اچھا میونسپلٹی کے دفتر سے پوچھیے؟''

داروغہ نے پھر نمبر ملایا۔ سوال و جواب ہونے لگے۔

داروغہ: ''آپ کے یہاں رمانا تھ کوئی کلرک تھا؟''

جواب: ''جی ہاں تھا۔''

داروغہ: ''وہ کچھ روپے غبن کر کے بھاگا ہے؟''

جواب: ''نہیں، وہ گھر سے نکل گیا ہے، لیکن غبن نہیں کیا۔ کیا وہ آپ کے یہاں ہے؟''

داروغہ: ''جی ہاں، ہم نے اسے گرفتار کیا ہے۔ وہ خود کہتا ہے، روپے اس نے غبن کیے۔ بات کیا ہے؟''

جواب: ''آپ تو الل بجھکڑ ہیں۔ ذرا دماغ لڑائیے۔''

داروغہ: ''یہاں تو عقل کام نہیں کرتی۔''

جواب: ''نہیں کیا۔ کہیں بھی کام نہیں کرتی۔ صرف شہادتیں گھڑنا جانتی ہے۔ سنیے رمانا تھ نے میزان لگانے میں غلطی کی ہے۔ ڈر کر بھاگا۔ بعد کو معلوم ہوا کہ تحویل میں مطلق کمی نہ تھی۔ آئی سمجھ میں بات۔''

ڈپٹی: ''اب کیا کرنا ہوگا کھان صاحب! چڑیا ہاتھ سے گیا۔''

داروغہ: ''نکل کیسے گیا حضور، رمانا تھ سے یہ بات کہی ہی کیوں جائے۔ اسے کسی آدمی سے ملنے ہی کیوں دیا جائے، جو اسے یہ خبر دے سکے۔ گھر والے ضرور اس سے ملنے آئیں گے۔ کسی سے ملنے نہ دیا جائے۔ تحریر میں کوئی بات نہ لائی جائے۔ صرف زبانی اطمینان دلایا جائے۔''

ادھر تو یہ مشورے ہو رہے تھے۔ ادھر دیبی دین ایک گھنٹہ میں لوٹ کر تھانے آیا۔ کانسٹیبل نے کہا کہ داروغہ جی تو صاحب کے پاس گئے۔

دیبی دین نے گھبرا کر کہا: ''تو بھیا کو حراست میں ڈال دیا؟''

کانسٹیبل: ''نہیں انہیں بھی ساتھ لے گئے۔''

دیبی دین نے سر پیٹ کر کہا: ''پولیس والوں کی بات کا کوئی بھروسہ نہیں۔ کہہ گیا کہ ایک گھنٹہ میں روپے لے کر آتا ہوں، مگر اتنا بھی صبر نہ ہوا۔ سرکار سے پانچ سو ہی ملیں گے۔ تو چھ سو دینے کو تیار ہوں۔ اب اوپر ہی اوپر انہیں پراگ راج بھیج دیں گے۔ میں دیکھ بھی نہ سکوں گا۔ بڑھیا رو رو کر مر جائے گی۔'' یہ کہتا ہوا دیبی دین وہیں زمین پر بیٹھ گیا۔

کانسٹیبل نے پوچھا: ''تو یہاں کب تک بیٹھے رہو گے؟''

دیبی دین نے بے خوفی سے پوچھا: ''اب تو داروغہ جی سے دو دو باتیں ہی کر کے جاؤں گا۔ چاہے جیل ہی جانا پڑے، مگر پھٹکاروں گا ضرور۔ بری طرح پھٹکاروں گا۔ ان کے بھی تو بال بچے ہیں۔ کیا بھگوان سے بالکل نہیں ڈرتے۔ تم نے بھیا کو جاتی بار دیکھا تھا۔ بہت رنجیدہ تھے۔''

کانسٹیبل: ''رنجیدہ تو نہیں تھے۔ خاصی طرح ہنس رہے تھے۔ خاصی طرح

دونوں صاحب موٹر میں بیٹھ کر گئے ہیں۔''

دیبی دین کو یہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا کہ یکا یک جگو آ کھڑی ہوئی۔ دیبی دین کو دروازے پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر بولی: ''تم یہاں بیٹھے کیا کرتے ہو، بھیا کہاں ہیں؟''

دیبی دین نے شکستہ دل ہو کر کہا: ''لے گئے، صاحب کے پاس۔ نہ جانے بھینٹ ہوئی ہے کہ اوپر ہی اوپر پراگ راج بھیج دیئے جاتے ہیں۔''

جگو: ''داروغہ جی تو بڑے وہ ہیں۔ تو کیا اتنا لیں گے۔ اتنا لیں گے۔ کہاں لے کر چلیں دیئے؟''

دیبی: ''اسی لیے تو بیٹھا ہوں۔''

جگو: ''ہاں پھٹکارنا ضرور، جو اپنی بات کا نہیں وہ اپنے باپ کا کیا ہوگا۔ میں کھری کہوں گی۔ میرا کیا کر لیں گے۔''

دیبی: ''دکان پر کون ہے؟''

جگو: ''بند کر آئی ہوں۔ ابھی بیچارے نے کچھ کھایا بھی نہیں۔ سویرے سے ویسے ہی ہے۔ چولہے میں جائے وہ تماشا۔ اسی کے لیے ٹکٹ لینے تو جاتے تھے۔ نہ گھر سے نکلتے تو کاہے کو یہ بلا سر پڑتی۔''

دیبی: ''جو ادھر سے پراگ بھیج دیا تو؟''

جگو: ''تو چھٹی تو آوے گی۔ چل کر دیکھ آئیں گے۔''

دیبی: ''(آنکھوں میں آنسو بھر کر) سزا ہو جائے گی۔''

جگو: ''روپے جمع کر دیں گے تو کاہے کو سجا ہوگی۔ سرکار اپنے روپے ہی تو لے

گی۔''

دیبی: ''ارے پگلی ایسا نہیں ہوتا، چور مال لوٹا دے تو وہ چھوڑ تھوڑے ہی دیا جائے گا۔''

جگو نے صورت حال کا احساس کر کے کہا: ''دروگا جی.....!''

داروغہ جی کی موٹر سامنے آ پہنچی۔ انسپکٹر صاحب بھی تھے۔ رما ان دونوں کو دیکھتے ہی موٹر سے اتر کر آیا اور خوش ہو کر بولا۔ ''تم یہاں دیر سے بیٹھے ہو کیا۔ آؤ کمرے میں چلو۔ تم کب آئیں اماں!''

داروغہ نے مذاقاً پوچھا: ''کہو چودھری لائے روپے؟''

دیبی: ''جب کہہ گیا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں تو آپ کو میری راہ دیکھنی چاہیے تھی۔ چلیے اب روپے لیجیے۔''

داروغہ: ''کھود کر نکالے ہوں گے؟''

دیبی: ''آپ کے اقبال سے ہزار پانچ سو ابھی اوپر ہی نکل سکتے ہیں۔ چلو بھیا! بڑھیا کب سے کھڑی ہے۔ میں روپے چکا کر آتا ہوں۔''

داروغہ: ''تو بھائی اپنے روپے لے جا کر کسی ہانڈی میں رکھ دو۔ افسروں نے انہیں چھوڑنے سے انکار کیا۔ میرے بس کی بات نہیں۔''

انسپکٹر صاحب تو پہلے ہی دفتروں میں چلے گئے تھے۔ یہ تینوں آدمی باتیں کرتے اس کے بغل والے کمرے میں گئے۔

دیبی: ''دروگا جی! مردوں کی بات ایک ہوتی ہے۔ میں تو یہی جانتا ہوں۔ میں روپے آپ کے حکم سے لایا ہوں۔ آپ کو اپنا قول پورا کرنا پڑے گا۔ کہہ کر مکر جانا

نیچوں کا کام ہے۔''

اتنے گستاخانہ الفاظ سن کر داروغہ جی کو بھنا جانا چاہیے تھا، لیکن انہوں نے ذرہ بھی برا نہ مانا۔ ہنستے ہوئے بولے۔ ''بھائی اب چاہے کمینہ کہو۔ چاہے دغاباز کہو، مگر اب انہیں چھوڑ نہیں سکتے۔ ایسے شکار اور نہیں ملا کرتے۔ قول کے پیچھے اتنی ترقی نہیں چھوڑ سکتا۔''

داروغہ کے ہنسنے پر دیبی اور بھی تیز ہوا۔ ''تو آپ نے کہا کس منہ سے تھا۔''

داروغہ: ''کہا تو اسی منہ سے تھا، لیکن منہ ہمیشہ یکساں تو نہیں رہتا۔ اسی منہ سے گالی دیتا ہوں۔ اسی منہ سے اس کی تعریف کرتا ہوں۔''

دیبی (تنک کر) ''یہ مونچھیں منڈوا ڈالیے۔''

داروغہ: ''مجھے بڑی خوشی سے منظور ہے۔ نیت تو میری پہلے ہی تھی، لیکن شرم کے مارے نہ منڈواتا تھا۔ اب تم نے دل مضبوط کر دیا۔''

دیبی: ''ہنسیے مت دروگا جی۔ آپ ہنستے ہیں اور میرا خون جلا جاتا ہے۔ چاہے جیل ہی کیوں نہ ہو جائے، لیکن میں کپتان صاحب سے ضرور کہہ دوں گا۔ ہوں تو ٹکے کا آدمی لیکن آپ کے اقبال سے بڑے بڑے افسروں تک پہنچ ہے۔''

داروغہ: ''ارے یار تو کیا سچ مچ کپتان صاحب سے میری شکایت کر دو گے؟''

دیبی دین نے سمجھا کہ دھمکی کارگر ہوئی۔ اکڑ کر بولا۔ ''آپ جب کسی کی نہیں سنتے تو بات کہہ کر مکر جاتے ہیں۔ دوسرے بھی اپنی سی کریں گے ہی۔ میم صاحب تو روز ہی دکان پر آتی ہیں۔''

داروغہ: ''سن دیبی۔ اگر تم نے صاحب یا میم صاحب سے میری شکایت کی تو

قسم کھا کر کہتا ہوں گھر کھدوا کر پھینک دوں۔''

دیبی: ''جس روز میرا گھر کھدے گا۔ اس دن یہ پگڑی اور چپڑوں بھی نہ رہے گی حضور۔''

داروغہ: ''اچھا تو مارو ہاتھ پر ہاتھ۔ ہماری تو دو دو چوٹیں ہو جائیں۔''

دیبی۔ ''پچھتاؤ گے سرکار۔ کہے دیتا ہوں، پچھتاؤ گے۔''

رما اب ضبط نہ کر سکا۔ اب تک وہ دیبی دین کی بدمزاجی کا تماشا دیکھنے کے لیے بھیگی بلی بنا کھڑا تھا۔ قہقہہ مار کر بولا۔ ''داروغہ جی تمہیں چڑا رہے ہیں۔ ہم لوگوں میں ایسی صلاح ہوگئی ہے کہ میں بغیر کچھ لیے دیئے ہی جاؤں گا۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی جگہ بھی مل جائے گی۔ صاحب نے پکا وعدہ کیا ہے۔ مجھے اب یہیں رہنا ہوگا۔''

دیبی دین اس کا کچھ مطلب نہ سمجھ سکا۔ بولا: ''کیسی بات بھیا۔ کیا کہتے ہو۔ کیا پولیس والوں کے چکمے میں آ گئے۔ اس میں کوئی نہ کوئی چال ضرور چھپی ہوگی۔''

رما نے اطمینان کے ساتھ کہا: ''اور کوئی بات نہیں، مجھے ایک مقدمہ میں شہادت دینی پڑے گی۔''

دیبی دین نے بدگمانی سے سر ہلا کر کہا: ''جھوٹا مقدمہ ہوگا؟''

رما: ''نہیں دادا، بالکل سچا معاملہ ہے۔ میں نے پہلے ہی پوچھ لیا ہے۔''

دیبی دین کو اطمینان نہ ہوا۔ بولا: ''میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا بھیا۔ ذرا سوچ سمجھ کر بات کرنا۔ اگر میرے روپوؤں سے ڈرتے ہو تو یہی سمجھ لو کہ اگر دیبی دین نے روپوں کی پروا کی ہوتی تو آج لکھ پتی ہوتا۔ انہی ہاتھوں سے سو سو

روپے کمائے ہیں اور سب اڑائے ہیں۔ کس مقدمہ میں شہادت دینی ہے، کچھ معلوم ہوا؟''

داروغہ جی نے رما کو جواب دینے کا موقع نہ دے کر کہا۔ ''وہی ڈکیتی والا معاملہ ہے۔ جس میں کئی غریب آدمیوں کی جان گئی تھی۔ ان ڈاکوؤں نے صوبہ بھر میں ہنگامہ مچا رکھا تھا۔ ان کے خوف کے مارے کوئی آدمی گواہی دینے پر راضی نہیں ہوتا۔''

دیبی دین نے بے رخی کے ساتھ کہا۔ ''اچھا تو یہ مخبر بن گئے۔ یہ بات ہے۔ اس میں تو جو پولیس سکھائے گی، وہی تمہیں کہنا پڑے گا۔ میں چھوٹی سمجھ کا آدمی ہوں۔ ان باتوں کا مطلب کیا جانوں، لیکن مجھ سے کوئی مخبر بننے کو کہتا تو نہ بنتا۔ چاہے کوئی لاکھ روپے دیتا۔ باہر کے آدمی کو کیا معلوم کہ کون کسور (قصور) وار اور کون بے کسور ہے۔ دو چار ملزموں کے ساتھ دو چار بے کسور تو ضرور ہی ہوں گے۔''

داروغہ: ''ہرگز نہیں۔ جتنے آدمی گرفتار کیے گئے ہیں، سب پکے ڈاکو ہیں۔''

دیبی: ''یہ تو آپ کہتے ہیں، نام ہمیں کیا معلوم۔''

داروغہ: ''ہم لوگ بے گناہوں کو پھنسائیں گے ہی کیوں، یہ تو سوچو۔''

دیبی: ''یہ سب بھگتے بیٹھا ہوں درو گا جی! اس سے تو یہی اچھا ہے کہ آپ ان کا چالان کر دیں۔ سال دو سال کی سزا ہی ہوگی۔''

رما نے بزدلانہ انداز سے کہا: ''میں نے خوب سوچ لیا ہے دادا۔ پوری مسل دیکھ لی ہے۔ اس میں کوئی بے گناہ نہیں ہے۔''

دیبی دین نے دل شکستہ ہو کر کہا: ''ہوگا بھائی۔ جان تو پیاری ہوتی ہے۔'' یہ کہہ

کر وہ لوٹ پڑا۔ اپنے جذبات کو وہ اس سے زیادہ واضح طور پر ظاہر نہ کر سکتا تھا۔

یکا یک اسے ایک بات یاد آ گئی۔ مڑ کر بولا: ''تمہیں کچھ روپے دیتا ہوں بھیا۔''

رما نے خفت کے ساتھ کہا: ''کیا ضرورت ہے؟''

داروغہ: ''آج سے انہیں یہیں رہنا پڑے گا۔''

دیبی دین طنز کے ساتھ بولا: ''ہاں جو ر اتنا جانتا ہوں۔ ان کی دعوت ہو گی۔ بنگلہ رہنے کو ملے گا۔ نوکر ملیں گے۔ موٹر ملے گی۔ یہ سب جانتا ہوں، کوئی باہر کا آدمی ان سے ملنے نہ پائے گا۔ نہ یہ کسی سے ملنے پائیں گے۔ یہ سب دیکھ چکا ہوں۔''

یہ کہتا ہوا دیبی دین تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا چل دیا۔ گویا یہاں اس کا دم گھٹ رہا ہو۔ داروغہ نے اسے پکارا، مگر اس نے پھر کر نہ دیکھا۔ اس کے چہرے پہ مایوسی چھائی ہوئی تھی۔

جگو نے پوچھا: ''بھیا نہیں آ رہے ہیں؟''

دیبی دین نے سڑک کی طرف تاکتے ہوئے کہا: ''بھیا اب نہیں آئیں گے۔ جب اپنے ہی اپنے نہ ہوئے تو بھیا تو بیگانے ہی ہیں۔''

دونوں اس طرح اداس گھر کی طرف چلے۔ گویا کسی عزیز کی لاش کو جلا کر لوٹ رہے ہوں۔

رونے میں کتنا سکون، کتنی تقویت، کتنا روحانی سرور ہوتا ہے۔ جو تنہائی میں بیٹھ کر کسی کی یاد میں، کسی کے فراق میں یا کسی درد سے بےتاب ہو کر سسک سسک کر نہیں رویا، وہ زندگی کی ایک نعمت سے محروم ہے۔ جس پر صدہا مسرتیں نثار ہیں، اس میٹھے درد کا لطف انہی سے پوچھو۔ جنہیں یہ مبارک مواقع ملتے ہیں، رونے کے بعد ایک نئی فرحت، ایک تازہ شگفتگی، ایک روح افزا تسکین کا احساس ہوتا ہے۔ جالپا کے پاس اخبار کے دفتر سے خط آیا، تو اسے پڑھ کر وہ رو پڑی۔ ایک ہاتھ میں خط لیے اور دوسرے ہاتھ سے چوکھٹ پکڑے وہ خوب روئی۔ کیا سوچ کر روئی۔ یہ کون کہہ سکتا ہے۔ شاید اس غیر متوقع کامیابی نے مسرت کی اس گہرائی تک پہنچا دیا، جہاں پانی ہے، یا اس بلندی تک جہاں برف ہے۔ آج چھ مہینے کے بعد اسے مژدۂ جانفزا ملا۔ اتنے دنوں وہ دغا شعار امید اور بےرحم مایوسی کا کھلونا بنی رہی۔ آہ کتنی بار اس کے دل میں شورش ہوئی کہ زندگی کا خاتمہ کر دے۔ اس تاریکی میں اسے امید کی روشنی صاف نظر آ رہی تھی۔ اس نے سوچا وہ کتنے بےدرد ہیں، چھ مہینے سے وہاں بیٹھے ہیں۔ ایک خط بھی نہ لکھا۔ آخر یہی تو سوچ لیا ہوگا کہ بہت رو رو کر مر جائے گی۔ انہوں نے میری پروا ہی کب کی۔ دس بیس روپے تو آدمی یاد دوستوں پر خرچ کر دیتا ہے۔ یہ محبت نہیں ہے۔ محبت دل کی چیز ہے۔ روپے کی نہیں۔

جب تک رما کا کچھ پتا نہ چلتا تھا، جالپا سارا الزام اپنے سر رکھتی تھی، لیکن آج اس کا سراغ پاتے ہی یکایک اس کا دل اس کی طرف سے سخت ہو گیا۔ طرح طرح کے شکوے پیدا ہونے لگے۔ وہاں کیا سمجھ کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اسی لیے وہ آزاد

ہیں۔خودمختار ہیں۔کسی کا دیا نہیں کھاتے۔اس طرح اگر میں بغیر کہے سنے کہیں چلی جاؤں تو قیامت آ جائے۔شاید تلوار لے کر میری گردن پر سوار ہو جائے یا زندگی بھر منہ نہ دیکھے۔

اتنے میں رمیش بابو نے دروازہ پر پکارا۔گوپی، گوپی۔ذرا ادھر آنا۔منشی جی نے اپنے کمرے میں پڑے پڑے کراہ کر کہا۔''کون ہے بھائی، کمرہ میں آ جاؤ۔ ارے آپ ہیں رمیش بابو! بابو جی میں تو مر کر جیا۔بس یہی سمجھ لو کہ نئی زندگی پائی۔ کوئی امید نہ تھی۔کوئی آگے ہے نہ پیچھے۔دو لونڈے آوارہ ہیں۔مروں یا جیوں۔ ان سے مطلب نہیں۔ان کی ماں میری صورت سے ڈرتی ہے۔بیچاری بہو نے میری جان بچا دی نہ ہوتی تو اب تک چل بسا ہوتا۔''

رمیش بابو نے مصنوعی ہمدردی دکھاتے ہوئے کہا۔''آپ اتنے بیمار ہو گئے اور مجھے خبر تک نہ دی۔میرے یہاں رہتے آپ کو اتنی تکلیف ہوئی۔بہو نے ایک پرزہ نہ لکھ دیا۔رخصت لینی پڑی ہو گی۔''

منشی جی:''چھٹی کے لیے درخواست تو بھیج دی تھی، مگر صاحب نے ڈاکٹری سرٹیفکیٹ نہیں بھیجا۔سولہ روپے کس کے گھر سے آتا۔آپ تو جانتے ہی ہیں بغیر فیس لیے ڈاکٹر لوگ بات نہیں کرتے۔یہ تو ڈاکٹروں کا حال ہے۔دیکھ رہے ہیں۔آدمی مر رہا ہے مگر بغیر فیس لیے قلم نہ اٹھائیں گے۔''

رمیش بابو نے فکرمندانہ لہجے میں کہا:''یہ تو آپ نے بری خبر سنائی۔اگر رخصت نامنظور ہوئی تو کیا کیجیے گا؟''

منشی جی نے ماتھا ٹھونک کر کہا:''ہو گا کیا۔گھر بیٹھ رہوں گا۔صاحب پوچھیں

گے تو صاف کہہ دوں گا، سرجن نے چھٹی نہیں دی۔ آخر کار سرکار نے انہیں کس لیے تعینات کیا ہے۔ محض کرسی کی زینت بڑھانے کے لیے۔ مجھے برخاست ہو جانا منظور ہے مگر سرٹیفکیٹ نہ دوں گا۔ دیکھئے لونڈے غائب ہیں۔ آپ کے لیے پان کیسے منگوائیں؟''

رمیش نے مسکرا کر کہا: ''میرے لیے آپ تردد نہ کریں۔ میں آج پان کھانے کا نہیں، پیٹ بھر مٹھائی کھانے آیا ہوں۔ (جالپا کو پکار کر) بہو جی! تمہارے لیے خوشخبری لایا ہوں۔ مٹھائی منگواؤ۔''

جالپا نے پان کی طشتری ان کے سامنے رکھ دی اور بولی: ''پہلے وہ خبر تو سنائیے۔ شاید آپ جس خبر کو نئی سمجھ رہے ہیں، وہ پرانی ہو گئی ہو؟''

رمیش: ''کہیں ہو نہ رمانا تھ کا پتا چل گیا۔ کلکتہ میں ہیں۔''

جالپا: ''مجھے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے۔''

منشی جی جھپٹ کر اٹھ بیٹھے۔ ان کا بخار گویا بھاگ کر اشتیاق کی آڑ میں چھپا۔ رمیش کا ہاتھ پکڑ کر بولے: ''معلوم ہو گیا کلکتہ میں ہی ہیں، کوئی خط آیا تھا؟''

رمیش: ''خط نہیں تھا۔ ایک پولیس انکوائری تھی۔ میں نے کہہ دیا، ان پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ بہو جی؟''

جالپا نے کل داستان کہہ سنائی۔ اخبار کا خط بھی دکھایا۔ خط کے ساتھ روپوں کی ایک رسید تھی جس پر رما کے دستخط تھے۔

رمیش: ''دستخط تو رما کا ہے۔ بالکل صاف۔ کسی طرح کا شبہ نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارا قائل ہو گیا بہو جی۔ واہ کیا حکمت نکالی ہے۔ ہم سب کے کان کٹ گئے۔